چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو اقامتِ دین اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتیں اپنی ساری طاقتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین و ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات اور رسالوں میں سربازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اولین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو دردمندانِ اسلام اور علماءِ حق کا اولین فریضہ ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عیاری کو تار تار کر دیں بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکار ہاتھ شل ہو جانے چاہئیں جنکی دست درازیوں سے عثمانِ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم کی قبائے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو قلم شہیدِ دار عثمانؓ کے اُس خون سے رنگا جا رہا ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت فسیکفیکھم اللہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی کیا آج اللہ کی کفایت آج اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمان کی مظلومیت اور شہیدِ دار کی بے کسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔

عظمتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں "خلافت و ملوکیت" کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ ندوۃ المصنفین کے آرگن برہان میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافتِ راشدہ کے ضمن میں حضرت معاویہؓ کے بارہ میں نہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالتِ صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی کی ندوۃ المصنفین ہمارا ایک قابلِ فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیر شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ متدین اور محقق صاحب قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی، چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو خود علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے برائت ظاہر فرمائی اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

جن قوموں نے اس عالم سفلی کو اپنے شر و فساد سے بھر دیا تھا اور پوری انسانیت جسکی ہلاکت آفرینیوں سے نالاں ہے، اب وہ اپنی کمندیں چاند اور ستاروں پر ڈال رہی ہیں۔ امریکی خلائی سیارہ کا تازہ کارنامہ سائنسی اور فنی لحاظ سے کتنا بھی اہم اور قابلِ تحسین کیوں نہ ہو۔؟ مگر جن لوگوں نے پوری زمین کو اپنی لیڈری اور قیادت کی خاطر جہنم کدہ بنا دیا ہے، ان کی یہ کامیابی حقیقی مسرت کی سزاوار اس وقت تک نہ ہوگی جب تک اس خلائی تسخیر کو انسانیت کی فلاح و بہبود اور امنِ عالم کا ذریعہ بنا دینے کی ضمانت نہ ہو، بظاہر تو خطرہ ہے کہ یہی کھیل جو علم و حکمت سے زیادہ دولت اور سیاست کے بل بوتے پر کھیلا جا رہا ہے پوری انسانیت کی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ نہ بن جائے، سائنس اور ایٹمی کارناموں ہی کے سہارے یورپی اقوام کی اب تک کی تاریخ غمازی کر رہی ہے کہ غالباً خلائی تسخیر کا یہ حیران کن مرحلہ ارشادِ خداوندی : اقتربت الساعۃ وانشق القمر کا ظہور ہوگا۔

اخبارات میں مسلمانوں کی کل تعداد کے بارہ میں پھر بے سر و پا قسم کی خبریں آئی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد کو دنیا کی کل آبادی تین ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ میں سے صرف پچاس کروڑ چوراسی لاکھ چوہتر ہزار بتلا کر اسے چھٹے نمبر پر دکھایا گیا ہے جب کہ عیسائیوں کی مرکز ویٹی کن سے شائع شدہ ان اعداد و شمار میں عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ بتلائی گئی۔ یورپی اقوام کے علمی اور تحقیقی کام بھی سیاست اور خود غرضی سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی یہ تعداد اصل تعداد سے بہت کم دکھائی گئی ہے جس سے مقصود مسلمانوں کو عددی لحاظ سے مرعوب اور احساسِ قوت و برتری سے محروم کرنا ہے تاکہ یورپ کی برتری اور تفوق کا غلط تصور اس کے استعمار و استحصال کی راہ کھولے رکھے۔ کچھ عرصہ قبل ایک مسلمان رہنما امیر شکیب ارسلان مرحوم نے اپنے حد تک تحقیق کر کے اس عیاری کی قلعی کھولی تھی اور ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک ارب ہے، پھر شائع ہونے والی خبریں خود بھی متضاد ہوتی ہیں — ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء کے اخبار کوہستان میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۹۵ کروڑ اور ایک ارب کے درمیان بتلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ اپنے اعداد و شمار تک کے کام کی توفیق بھی خود انہیں نہیں ہو سکتی اور غیروں کی تحقیقات پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ کیا سعودی عرب کی رابطہ عالم اسلامیہ یا مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی کچھ رہنمائی کر سکے گی —؟

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

۱۱ شوال

انٹرویو

ضبط و ترتیب : سمیع الحق

علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی

سے

ایک ملاقات

★

حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کا مقام دعوت و تجدید

★

علمی، سیاسی، معاشرتی، تجدیدی کارنامے

★

پچھلے دنوں جب حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے سفر پاکستان کے دوران اپنی خاص محبت اور تعلق کی بنا پر دارالعلوم حقانیہ کو بھی اپنی تشریف آوری سے نوازا اور دارالعلوم کی فضائیں حضرت کی آمد کی وجہ سے پُر نور مجالس اور محافل سراپا نور بن گئیں تو اچانک دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ماہنامہ الحق کیلئے مرکزِ اسلام کے مدیرِ شہیر اور حضرت حکیم الاسلام مولانا نانوتویؒ کے علوم و اسرار کے امین سے ایک انٹرویو ریکارڈ کرایا جائے۔ ادھر یہ خواہش ادھر حضرت کی مصروفیات اور گرد پروانوں کا ہجوم اور پھر حضرت کی علالت اور تھکاوٹ سفر کے ساتھ ساتھ تازہ زکام اور نزلہ اس پر مستزاد مگر خدا کی خاصی دستگیری تھی۔ کہ رات گیارہ بجے کے بعد اس مقصد کیلئے کچھ یکسوئی کا وقت نکل ہی آیا۔۔۔

حضرت سے پہلا سوال دارالعلوم دیوبند کے مستقبل کے بارہ میں تھا، بھارت سے مسلمانوں کی ثقافت، پرسنل لاء اور ثقافتی مراکز کے متعلق جو خبریں آتی ہیں وہ اگرچہ مبالغہ آمیز سہی لیکن پریشان کن ضرور ہوتی ہیں۔ پھر مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا تو خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں ـــــــ کہ

—— عشق است و ہزار بدگمانی —— جس شجرۂ طوبیٰ کیلئے حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی جسکی داغ بیل حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے سراپا اخلاص وعمل بزرگوں نے رکھی، پھر جسکی آبیاری میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے اساطین امت نے اپنی زندگی تج دی آج انوار و معارف قاسمیہ کے امین اور بانی دارالعلوم کے حفید رشید مولانا محمد طیب قاسمی سے پہلا سوال اسی دارالعلوم دیوبند کے بارے میں تھا، جس کی تعمیر و تشکیل سے خود حضرت قاری صاحب مدظلہ کی پوری زندگی کی داستان وابستہ ہے۔ حضرت نے پورے اعتماد، مضبوط ایمان اور توکل سے بھرپور انداز میں جواب دیا:

"جی ہاں اللہ بہتر کرے بنیاد تو اس کی ایسی ہی ہے کہ مستقبل روشن ہے ان شاء اللہ، اور یہ اس لئے کہ بڑی بڑی گھاٹیاں آئیں، اللہ تعالیٰ نے اُسے محفوظ رکھا بڑے بڑے مخالف پیدا ہوئے مگر اللہ کا فضل ہے وہ بڑھتا ہی رہا——"

اطمینان اور تسلی کے لئے یہی کچھ کافی تھا، مگر یکایک دھیان مولانا محمد یعقوب صاحب صدر اوّل دارالعلوم دیوبند کے ایک مکاشفہ یا پیشنگوئی کی طرف گیا جسے کہیں پڑھا یا سُنا تھا، اور پھر جب یہ بھی خیال آیا کہ دارالعلوم اپنی زندگی کے سو سال تو پورے کر چکا ہے، تو گویا دل و دماغ پر ایک بجلی سی کوند پڑی اور سائل نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب سے اس بارہ میں پوچھا کہ: حضرت! کسی بزرگ غالباً مولانا محمد یعقوب صاحب کا ایک مقولہ سننے میں آیا ہے۔ کہ سو سال تک تو اس دارالعلوم کا خدا حافظ ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کا جو فیصلہ ہو—— حضرت نے اسکا جواب دیا اور یکایک فکر و اضطراب کی گھٹائیں اطمینان اور امید کی قندیلوں سے روشن ہوگئیں۔

حضرت نے فرمایا: "نہیں اتنا میں نے سنا ہے کہ یہ مدرسہ چلتا رہے گا، چلتا رہے گا یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب ہو اور یہ مدرسہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے اس پیشنگوئی سے ہم تو بڑی امیدیں باندھے ہوئے ہیں۔" پھر حضرت نے خود فرمایا یہ ایک عجیب بات ہے اور اب تک تو پوری ہوتی آرہی ہے۔"

حضرت قاری صاحب وضاحت فرما رہے تھے، اور چشم تصور نے دہلی کے لال قلعہ پر ہلالی پرچم لہراتا دیکھا۔ کانوں نے اس کی سرسراہٹ محسوس کی اور مسلمانوں کی عظمتوں کی امین سرزمین پر شوکت اسلام کے تصور ہی سے دل خوشی سے جھوم اٹھا، مگر کیا خبر کہ یہ سنہرا خواب بھی زندگی

کی اور حسرتوں کی طرح شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے یا نہیں ـــــ اس امید وبیم میں راقم الحروف نے اپنی بات دوسرے پیرایہ میں دہرائی ـــــ

حضرت تجدید دین کا زمانہ تو اشخاص و افراد کے لحاظ سے سو سال کا ہوتا ہے، تو یہ تو دین اور علوم دین کا ایک مجدد ادارہ ہے۔ تو اسکی عمر تو ہزاروں سال ہونی چاہیئے ـــــ ابھی میں نے اپنی بات پوری نہیں کی کہ حضرت نے ایسا امید افزا اور ایمان پرور جواب دیا کہ دل و دماغ میں فکر و اضطراب کی بجائے خدا کی رحمت اور وعدۂ حفاظت دین کے یقین کی شمع فروزاں ہوئی، حضرت نے فرمایا: "میں نے اپنے بزرگوں مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ اور دیگر حضرات سے کئی بار سنا ہے کہ مجدد کیلئے شخص واحد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ جماعت بھی ہو سکتی ہے۔ اور ان حضرات نے فرمایا کہ یہ جو حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ اور ان اکابر کی جماعت ہے یہ سب مجدد ہیں جنہوں نے سنت اور بدعت میں معروف اور منکر میں تمیز پیدا کی، اور اس کے بعد فرمایا کہ ان حضرات کی تجدید کا مظہر اتم یہ دار العلوم ہے۔ اسی کو مجدد کہا جائے۔ اور مولانا حبیب الرحمانؒ نے دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ جو عمل ہے تجدید دین کا اس کی نسبت اور قیام کا مرکز ہے دار العلوم اور ہندوستان میں یہ دار العلوم قطب الرحیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے چکی کے پاٹوں کے بیچ میں کلی ہوتی ہے تو اس کے اردگرد چکی کے پاٹ گھومتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کے نہ صرف دینی معاملات بلکہ ملکی معاملات بھی اس کے اردگرد گھوم رہے ہیں، اس کے اندر کچھ قوت اور مقناطیسی طاقت خدا نے رکھی ہے" اور تیسری بات جس سے ڈھارس بندھتی ہے وہی مولانا یعقوب صاحب کا مقولہ کہ یہ دار العلوم چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب آجائے اور یہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے ـــــ

حضرت اپنی بات ابھی سمیٹ رہے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ مجلس میں تشریف لائے اور حضرت کے پہلو میں بیٹھ گئے حضرت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انٹرویو نگاروں کی ستم کاری کا شکوہ اس ظرافت آمیز انداز میں فرمایا کہ ـــــ ان لوگوں کا منشاء یہ ہے کہ تم رات کو بھی جاگے ہو دن کو بھی نہیں سونا چاہیئے۔ آج بھی جاگنا چاہیئے اور کل کو آٹھ گھنٹے کا سفر ہے جاگ کر چلے جانا تاکہ مجاہدہ مکمل ہو جائے ـــــ

بزرگوں کی شفقت سے طبیعت میں جو گستاخی اور شوخی آگئی ہے، اس کی بناء پر عرض کیا گیا کہ حضرت پورے سفر میں ہماری "قدر شناس میزبان حکومت" نے آپ کے تقریر و بیان

پر پابندی لگاکر آپ کو بڑی راحت پہنچائی ہے۔ اب ہم کل سے اس کی کسر یہاں دارالعلوم حقانیہ میں نکالنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے جن کی طبیعت کو خدا نے شکوہ و شکایت کی بجائے صبر و تمکنت اور تحمل کی نعمت سے بڑی فراوانی سے نوازا ہے۔ ہماری اسلامی حکومت کے اس سراسر نامناسب اقدام پر احتجاج یا افسوس کی بجائے احسان مندی کے لہجے میں فرمانے لگے کہ جی ہاں یہ تو واقعی یہاں کی حکومت کا میرے ساتھ نادانستہ احسان ہے یا پھر میرے ضعف بڑھاپے اور علالت پر خداوند کریم کا غیبی کرم، ورنہ تقریر پر پابندی نہ ہوتی اور ہر جگہ دوستوں کے تقاضا پر مجھے بولنا پڑتا تو شاید میری طبیعت اسکی متحمل نہ ہوسکتی۔ گو میں تو وہاں سے یہ ارادہ کرکے آرہا تھا کہ تقریر و بیان سے حتی الوسع علالت کی وجہ سے پہلو تہی کروں گا ـــــ عالم اسلام کے ایک جلیل القدر عالم دین اور مسلمانوں کے قابل فخر بزرگ کی اپنے ملک میں اس "پذیرائی" کا ذکر چھیڑ کر مجھے خود ندامت اور خفت محسوس ہونے لگی۔ مگر حضرت کی زبان سے ایسا تبصرہ سن کر اپنے اکابر کی شرافت نفس اور علو اخلاق کا ایک پہلو تو سامنے آہی گیا ـــــ

اس کے بعد گویا اصل انٹرویو شروع ہوا اور ایک پرزہ جس پر عجلت میں چند سوالات لکھے گئے تھے حضرت کی طرف بڑھایا گیا، حضرت نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور پھر گویا ہماری طفلانہ خواہش اور تنگئ داماں کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ "ارے بھئی یہ تو بڑے لمبے سوال ہیں اس میں سے کسی ایک سوال کے ایک گوشہ پر گفتگو کیلئے بھی یہ پوری رات ناکافی ہے۔" ـــــ مگر ایک سدا بہار گلشن سے گذرنے والے کسی سراپا شوق کی نظر تو اپنی تنگ دامنی سے زیادہ انواع و اقسام کی زیبائش اور رعنائی پر ہوتی ہے۔ اس کے دامان نگاہ میں تو پورا چمن سمیٹ لینے کی چیز ہے۔ کہ پھول ہے تو یہی اور سرسبز و شاداب گوشہ ہے تو بس یہی۔

سب سے پہلا سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارہ میں تھا جن کے سر پر خدا نے ظلمتکدۂ ہند میں حفاظت دین کا سہرا باندھا اور جن کی مؤمنانہ بصیرت، مجاہدانہ جد و جہد، حکیمانہ علوم اور جدید علم کلام کی وجہ سے خداوند کریم نے دور غلامی میں اسلام اور اسلامیان ہند کے علوم و تہذیب کو محفوظ رکھا۔ بلاشبہ اس امام کبیر کی نظیر قرون اولیٰ ہی میں مل سکتی ہے۔ علم میں عمل میں جہاد اور ریاضت میں تدبر اور سیاست میں تصوف اور سلوک میں حضرت حجۃ الاسلام یکتائے روزگار تھے۔ ایک نقاد عالم نے بالکل صحیح کہا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات انیسویں صدی کے نصف آخر میں بے شبہ آیت من آیات اللہ تھی۔ آپ کے

علمی، اخلاقی اور روحانی کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے رازیؒ کا فلسفہ، شعرانیؒ کا علم الکلام، غزالیؒ کا سوز و گداز، ابن تیمیہؒ کا صولتِ بیان، ولی اللہؒ کی حکمت و دانش، احمد سرہندیؒ کی غیرت و حمیت اسلامی اور ٹیپوؒ کی شجاعت۔ یہ سب چیزیں کس فیاضی سے ایک شخص میں جمع کر دی تھیں ـــــ اور بقول حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ ہمارے اکابر تو وہ ہیں کہ اگر ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرا دیا جاوے اور بتلایا نہ جاوے تو دیکھنے والے رازیؒ اور غزالیؒ ہی کی سمجھیں گے ـــــ اور آج حضرت قاری صاحب سے انہی امام دعوت و عزیمت سرخیل ارباب صدق و صفا علمبردار جہاد حریت اور نابغۂ روزگار شخصیت کے مقام دعوت و عزیمت پر کچھ روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا تھا ـــــ اور حجۃ الاسلامؒ کے پوتے فرما رہے تھے کہ:

"حضرت نانوتویؒ نے زندگی میں جو کام انجام دئے وہ تو بہت زیادہ ہیں لیکن بنیادی طور پر تین بڑے بڑے کام انجام دئے سب سے پہلا کام دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے، یہ اتنا عظیم کام ہے کہ پوری دنیا پر اس نے اثر ڈالا ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ خلافت اسلامیہ کی تائید میں ہمہ وقت منہمک رہے، سلطان عبدالحمید خان خلیفہ تھے، گو وہ خلافت نام کی رہ گئی تھی مگر حضرت چاہتے تھے کہ وہ نام ہی قائم رہے۔ اس سے تمام ممالک اسلامیہ میں ایک مرکزیت قائم رہے گی اس لئے حضرت نے خود بھی سلطان کی حمایت میں قصیدے لکھے مولانا محمد یعقوب اور مولانا ذوالفقار علیؒ سارے بزرگ رطب اللسان رہے اور جب بھی ترکوں سے کسی کی جنگ ہوئی، یہ حضرات ترکوں کی حمایت میں کھڑے ہوئے، کہیں چندہ جمع کر رہے ہیں، کہیں رائے عامہ پیدا کر رہے ہیں غرض ہمہ وقت مصروف رہتے۔ تو مقصد یہی تھا کہ خلافت کا نام قائم رہے تاکہ تمام ممالک اسلامیہ میں کچھ نہ کچھ ارتباط تو قائم رہے ـــــ اور تیسری چیز یہ انجام دی کہ دیوبند اور نواح دیوبند میں نکاح بیوگان کو انتہا درجہ کا عیب سمجھا جاتا تھا، اور یہ چیز ہندوؤں سے آئی تھی، اگر کسی نے نام بھی لیا تو تلواریں نکل آتی تھیں۔ حضرتؒ نے لطیف پیرایہ میں اسکی تحریک شروع کی جب اندرونی طور پر خواص کو اپنا ہم خیال بنایا تو اس کے بعد جلسۂ عام کیا ہمارے یہاں دیوان کا دروازہ جو ہے وہ نواب لطف اللہ خان مرحوم کا محل ہے، جو اورنگ زیبؒ کے وزیر خارجہ تھے اور دیوبند میں عثمانیوں کے مورث اعلیٰ تھے، اس میں حضرت نے وعظ فرمایا، بہت بڑا مجمع تھا درمیان میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ حضرت مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ فراست سے سمجھ گئے کہ کیا کہنا ہے۔؟ جواب میں فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں، ایک ضرورت پیش آئی، لوگوں نے سمجھا

کہ استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ حضرت گھر میں گئے حضرت کی بڑی بہن بیوہ تھی، ۹۵ برس کی عمر میں نہ نکاح کے قابل نہ کچھ مگر اعتراض کرنے والے کو اسکی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ آپ دنیا کو نصیحت کرتے ہیں مگر آپ کی بہن تو بیٹھی ہے، گھر میں گئے تو بڑی بہن کے پیروں پر ہاتھ رکھا، انہوں نے گھبرا کر کہا کہ بھئی تم عالم ہو یہ کیا کر رہے ہو۔؟ فرمایا میں بہر حال آپ کا چھوٹا بھائی ہوں آج ایک سنت رسولؐ زندہ ہوتی ہے اگر آپ ہمت کریں تو آپ پر موقوف ہے فرمایا کہ میں ناکارہ اور سنت رسولؐ کی احیاء میری وجہ سے؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ نکاح کر لیجئے۔ فرمایا: کہ بھئی تم میری حالت دیکھ رہے ہو منہ میں دانت نہیں کمر جھک گئی، ۹۵ برس میری عمر ہے، کہا یہ سب میں جانتا ہوں مگر اعتراض کرنے والے اس چیز کو نہیں دیکھتے۔ تو فرمایا کہ اگر سنت رسولؐ میری وجہ سے زندہ ہو سکے تو میں جان قربان کرنے کو بھی تیار ہوں۔۔۔۔ تو۔۔۔ ان کے دیور کی بیوی کا انتقال ہوا تھا اور ان کے خاوند کا وہاں پر جو چودہ پندرہ آدمی تھے خاندان کے انہی کے سامنے نکاح پڑھایا گیا، گواہ بنا دیئے گئے، اس میں کچھ دیر لگ گئی، پھر حضرت نانوتویؒ باہر آئے اور مجمع میں دوبارہ تقریر شروع کی۔ وہی سائل پھر کھڑا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے۔ فرمایا کہئے، اس نے کہا آپ دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں اور آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہے۔ تو ہم پر کیا اثر ہوگا۔؟ فرمایا کون کہتا ہے۔؟ ان کے نکاح کے تو شاید گواہ بھی یہاں موجود ہوں گے۔۔۔۔ دو تین آدمی درمیان میں کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے۔ اصلاح معاشرت اور رسومات مٹانے کے لئے حضرت نے تو اپنے گھر سے قربانی پیش کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی مجلس میں ستر، اسّی نکاح پڑھے گئے اور پھر یہ سنت ایسی کھلی کہ ہزاروں بیواؤں کا نکاح ہو گیا۔۔۔۔

تو پہلی چیز تو دارالعلوم کے قیام پر زور دیا اسکی روح فی الحقیقت یہ تھی کہ علوم نبوت اگر عام ہوئے اور ایمان سنبھل گئے تو پھر مسلمان سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور اگر ایمان ہی نہ رہا تو پھر کچھ نہیں کر سکتے اس لئے کہ سب شوکت اور حکومت جا چکی تو کم ازکم دین تو محفوظ رہ جائے۔ وہ رہ گیا تو آگے سب کچھ رہ جائے گا۔

اس لیے سفر میں جہاں بھی گئے تو مدارس قائم کرتے چلے گئے۔ مراد آباد میں مدرسہ شاہی، امروہہ میں مدرسہ چلّہ، بریلی میں مدرسہ اشاعت العلوم، انبیٹھہ اور تھانہ بھون میں دینی مدرسے اور گلاؤٹھی میں مدرسہ قاسمیہ قائم کیا اور جتنے متوسل تھے خطوط لکھتے رہے کہ جہاں ہو مدرسہ قائم کرو اور یہ حضرت کی ایک بڑی سیاست تھی اور اس کا حاصل یہ تھا کہ قوم کو ظلم کے راستے سے تیار رکھنا کہ وہ مضبوطی سے

قائم رہے اور جب دین ہوگا تو آئندہ ممکن ہے کہ ان میں شوکت اور قوت بھی آجائے ـــــ ادھر معاشرت کو درست کیا۔ معاشرہ کے سب سے بڑی خرابی نکاح بیوگان کی طرف توجہ دی ـــ تیسری چیز یہ تھی کہ خلافت اسلامیہ کے طرف لوگوں کو مائل کیا، ہر وقت اس کا دھیان جس سے میں نے یہی سمجھا کہ حضرت چاہتے تھے کہ اسلامی نظام کی کوئی نہ کوئی بود و نمود باقی رہے اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو کم سے کم کسی اسلامی حکومت سے تو مربوط رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا مرکز بہت دنوں تک افغانستان رہا کی امیدوں اور برطانیہ کو یہ شکایت رہتی کہ یہ جماعت شورش کر رہی ہے اور افغانستان سے مل کر برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے مگر ان حضرات کو اس کی کیا پرواہ تھی۔؟ افغانستان سے برابر اپنا ایک رابطہ قائم رکھا اور یہی وجہ ہوئی کہ ـــ جب امیر نادر خان کا انتقال ہوا اور ظاہر شاہ تخت سلطنت پر بیٹھ گئے تو دار العلوم کی مجلس شوریٰ نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا کہ امیر مرحوم کی تعزیت اور امیر موجود کی تہنیت کروں۔ میں افغانستان حاضر ہوا اور میں نے یہ تحریر لکھ کر پیش کی کہ ہمارا مقصد کوئی مالیہ اور چندہ لینا نہیں بلکہ ان روابط کو زندہ کرنا ہے جو ہمارے اکابرؒ کے تھے جس پر صدر اعظم نے مجھے بلایا امیر بڑی عنایت و شفقت سے پیش آئے جب میں قصر صدارت میں پہنچا تو ہم لوگ بیٹھ گئے اور یہ خیال تھا کہ شاید ملاقات کے کمرہ میں بلایا جائے گا۔ لیکن یکایک دیکھا کہ خود صدر اعظم وہیں آرہے ہیں۔ ہم سب لوگ کھڑے ہوئے آگے بڑھے تو وہی افغانی طریقہ پر معانقہ دایاں بایاں مونڈھا چومنا، پوری محبت کا اظہار انہوں نے کیا اس کے بعد فرمایا بفرمائید آپ آگے چلیں میں نے کہا نے نے خلاف ادب است۔ فرمایا: نہیں نہیں آپ کو آگے چلنا ہوگا اور میں اسکی وجہ بتاؤں گا۔ اب ہم اس شان سے چلے کہ میں آگے آگے میرے پیچھے صدر اعظم صاحب ان کے پیچھے سردار نعیم خان اور ان کے پیچھے مولانا محمد میاں صاحب (منصور انصاریؒ) اور ان کے پیچھے غازی صاحب اس ترتیب سے ہم آگے بڑھے تو وہ جو رسمی کرسی تھی، اس پر مجھے بٹھلایا اور خود دوسری کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب میں وجہ بیان کرتا ہوں، اور وجہ مختصر یہ ہے کہ حکومت کابل کی یہ خوبیت ہمیں آپ بزرگوں کی دعاؤں سے ملی ہے اور یہ اشارہ تھا اس طرف کہ امیر نادر خان صاحب

کے چچا تایا سردار محمد یوسف خان اور سردار محمد آصف خان یہ دونوں بیعت تھے حضرت گنگوہیؒ اور برطانیہ نے انہیں ڈیرہ دون میں نظر بند رکھا تھا۔ تو یہ حضرات شکار کے حیلے سے گنگوہ آکر حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور حضرت کوئی نصیحت فرما دیتے ـــ آخری دفعہ جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ "جاؤ کابل کی حکومت تمہارے خاندان میں آئے گی اور عدل سے کام کرنا"۔

انہیں حیرت ہوئی کہ کابل کی حکومت سے ہمارا کیا تعلق ـــ امان اللہ کی حکومت تھی یہ لوگ بنی اعمام میں سے تھے، تو مگر حکومت کا کوئی سوال نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ حضرت نے حوصلہ افزائی کے طور پر ایک کلمہ کہہ دیا ہے۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ بچہ سقہ کی حکومت آئی۔ امان اللہ خان معزول ہوئے۔ کیونکہ اسی نے مظالم ڈھائے تو قوم متوجہ ہوئی کہ امیر نادر خان کو فرانس سے بلایا جائے وہ آئے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور پھر شہید ہو گئے۔ تو صدر اعظم کا اشارہ اسی طرف تھا، پھر صدر اعظم نے فرمایا: کہ ہمارے پاس کچھ تبرکات آپ کے بزرگوں کے محفوظ تھے۔ مولانا نانوتویؒ کی ایک ٹوپی تھی جو میری والدہ کے پاس تھی اور ہمیں جب کوئی بیماری ہوتی تو والدہ ہمیں وہ ٹوپی اڑاتی تھی اور ہمیں شفا ہو جاتی۔ آج ڈاکٹر رفتی بے (جو ترک ہے) کو ہم چھ ہزار روپے ماہانہ دیتے ہیں۔ مگر اس کے نسخوں سے وہ شفا نہیں ہوتی جو ان تبرکات کی وجہ سے ہوتی اور فرمانے لگے کہ بچہ سقہ کے زمانے میں ہمارا گھر لوٹا گیا، لاکھوں روپیہ کا سامان چوری ہو گیا، لیکن ہمیں صدمہ ہوا تو تبرکات کا جس کا آج تک ہمارے اوپر اثر ہے ـــ پھر صدر اعظم افغانستان نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو آگے بڑھا رہا ہوں۔

> کابل کی حکومت ہمیں اکابر دیوبند کی دعاؤں سے ملی ـــ (صدر اعظم افغانستان)

یہ تو افغانستان سے روابط تھے اور سلطان عبدالحمید خان ترکوں سے تعلق کا حال معلوم ہوا جس سے ان حضرات کے ذہن کا اندازہ ہوتا ہے کہ یوں چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی حکومت بازیافت ہو جائے، مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو۔ شیخ الہندؒ کی بھی یہی تحریک تھی وہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام متحد ہو کر ترک اور افغانستان سب مل ملا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوں۔ حضرتؒ کی یہ تحریک تھی اور وہ ہوئے بھی حملہ آور مگر کچھ تو یہ ملک تیار نہ تھا، کچھ مجاہدین ناتربیت یافتہ تھے، نتیجہ شکست کی صورت میں نکلا اور یہ خواہش انہیں ورثہ میں اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ سے ملی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں تو گویا حضرت جوش جہاد میں غرق تھے اور بس یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جان دے دوں شاملی میں

تلواروں سے مقابلہ بھی کیا۔ الغرض حضرت کی زندگی کے کارناموں میں ایک علمی کارنامہ تو دارالعلوم ہے، جس کا فیض اطراف عالم میں پہنچا، دوسرا معاشرتی کارنامہ ہے، اور تیسرا سیاسی اور اجتماعی کارنامہ کہ تہذیب وتعلیم ہی کے سلسلہ میں سہی مگر ممالک اسلامیہ میں کوئی نہ کوئی ربط قائم رہے، اس سلسلہ میں حضرتؒ نے دارالعلوم دیوبند میں محکمہ قضاء قائم کیا اور مولانا یعقوب کو قاضی بنایا تو ہزاروں مقدمات جو برسہابرس سے الجھے ہوئے تھے منٹوں میں طے ہوئے۔ لوگوں کا وقت اور مالیہ بچا، یہ سلسلہ جاری رہا، مگر انگریز نے آخر میں تھانیدار کو بھیجا جو بڑا سخت قسم کا آدمی تھا شریف کا آخری عشرہ تھا۔ اس نے آکر آکر توڑ دیا۔ دیوبند میں ایک سے مصافحہ کیا۔ اور بہت چنانچہ وہ آیا رمضان کہا کہ کیا آپ حضرت نانوتویؒ کا جھنڈا جرأت کے ساتھ ہندوستان میں شرع محمدی گاڑنا چاہتے ہیں۔؟ یہ کیا آپ نے محکمۂ قضاء قائم کیا۔؟ حضرت نے بڑی نرمی سے کہا کہ یہ تو ہم لوگ گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں، جو لاکھوں روپے خرچ کر کے مقدمات فیصل کرتی ہے۔ ہم نے منٹوں میں فیصل کر دیا، مگر اُس نے کہا کہ نہیں آپ پورا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، میں رپورٹ کروں گا۔ اس پر حضرت کو غصہ آیا اور کہا کہ کان پکڑ کر اسے نکال دو۔ طالب العلموں نے دھکے دیکر اسے نکالا اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ جا ہم تیری رپورٹ کریں گے۔ نکال دو اس شیطان کو یہاں سے۔ بہرحال عید کا دن آیا، تھانیدار کے ہاں دودھ کے بالٹے بھرے تھے، کپڑے تیار خوشیاں منائی جارہی تھیں کہ اچانک گورنمنٹ کا حکم پہنچا کہ اسکی رشوتوں کی انتہا ہوگئی ہے۔ اس کو فوری برخاست کیا جائے۔ اور بازار میں دکان دکان پر جہاں سے اس نے رشوت لی پیروں میں رسی ڈال کر اسے پھرایا جائے۔ تو اس حالت میں اسے گھمایا گیا کہ یہ روتے ہوئے کہتا جارہا تھا کہ افسوس میں نے تو رپورٹ نہیں کی مگر مولوی جی نے میری رپورٹ کر دی تو اس کا خمیازہ جلد اُس نے بھگت لیا۔ اس کی جگہ دوسرا آیا ـــــ اس کے بعد ان بزرگوں کی وفات ہوگئی اور وہ محکمہ نہیں چلا۔

ـــــ تو حضرت کا چوتھا منصوبہ یہ تھا کہ اسلامی پرسنل لاء اور مخصوص قانونِ شریعت کے

مطابق طے ہو۔ اسی کے تحت دارالعلوم دیوبند کے اکابرؒ نے جب لندن سے مسٹر مانڈسنے وزیر ہند آیا اور جارج کا زمانہ تھا، تو میرے والد صاحب (مولانا حافظ محمد احمدؒ) علماء کا ایک وفد لے کر ان سے ملنے کے لئے گئے اور درخواست یہ کی کہ ہندوستان میں محکمۂ قضا قائم کر دیا جائے جس میں شریعت اسلام سے مخصوص چیزیں نکاح، طلاق، عدت، میراث، اوقاف وغیرہ طے ہوں۔ خیر اُس نے ظاہر میں تو کہاکہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اور پارلیمنٹ میں بھی لیکن یہ ایک وقتی بات تھی نہ اُس نے یہ پیش کیا نہ ایسا ہوا۔

مگر ان بزرگوں کا جذبہ برابر یہی تھا کہ اسلامی اقتدار مسائل کے درجہ میں بھی قائم ہو جائے۔ تحفظ خلافت اور روابطِ اسلامیہ کے سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ نے ایک کام یہ کیا کہ لوگوں کو بہت زیادہ حج کے لئے مائل کرتے تھے اور فرمایا کہ ــــ اوّل تو عبادت ہے اور عبادت بھی اجتماعی، وہاں جاکر مکّہ والوں سے بھی سابقہ پڑے گا۔ وہاں اسلامی حکومت دیکھیں گے تو ان کے قلوب پر اثر پڑے گا تو شوکتِ اسلامی کے جذبات لیکر آئیں گے تو علم و معاشرت سیاست اور خلافت یہ چند چیزیں ایسی ہیں جو حضرت کی تمام خدمات کی محور ہیں ــــ

ــــ رات آدھی گذر چکی تھی مگر شرکاء مجلس ذکر قاسمیؒ میں ایسے محو کہ گویا ایک حسین خواب دیکھ رہے ہوں اور زمانہ پیچھے کی طرف پلٹ گیا ہو کہ یکایک حضرت قاری صاحب نے بساط لپیٹنی چاہی، سننے والے چونک پڑے اور حضرت کے ضعف و نقاہت کے باوجود ان کی توجہ حضرت نانوتویؒ کی ایک مخصوص شان علمی کمالات کی طرف مبذول کرنا چاہی کہ ابھی ذکرِ محبوب کچھ دیر اور چلتا رہے کہ اصحابِ غرض کو تو اپنی مطلب برآری سے ہی کام ہوتا ہے ورنہ عقل اور ادب دونوں حضرت کو مزید تکلیف دینے سے روک رہے تھے، مگر دل بضد تھا کہ ــــ

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل   لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

حضرت نانوتویؒ کی علمی شان تجدید کا ذکر آیا تو حضرت قاری صاحبؒ گویا یکدم تازہ دم ہوئے اور فرطِ نشاط میں محو ہو کر فرمانے لگے کہ علوم و معارف میں بھی حضرت کا بالکل مجددانہ انداز ہے۔ حضرت کی جو تصانیف ہیں مولانا شبیر احمد عثمانی کی نگاہ بہت تھی تصانیف پر، اور یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ سو برس تک فلسفہ کتنے روپ بدل کر آئے، لیکن حضرت کی حکمت اسکی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہو گی، سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حملہ حجت سے نہیں کر سکتا